ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

Vol.8. No.4.2025

ڈراما "بساط" کے مکالموں سے ابھرنے والی چونسٹھ نظمیں: ایک تجزیہ

Maria Saleem
M Phil Urdu Scholar, Riphah International University Faisalabad campus, Pakistan

ABSTRACT:
This article explores the emerging of a series of poems from the dialogues of a play. Basir Sultan Kazmi is a well-known poet and playwright. He got his long play Bisaat published in 1987. The poetic quality of Bisaat was particularly noticed by critics. Twenty-five years after the publication of the play, the author realised the presence of poems in its dialogues. According him, he was made aware of this feature by the hidden poems themselves who demanded a separate book for them. After some resistance, the author conceded and published them with the title, 'Chunsath Khanay Chunsath Nazmein'. The main themes of these poems are similar to those of the play, e.g. values of life, friendship, love, marriage, equality; social and political phenomena like class system, wealth, power, autocratic and democratic systems; equal opportunities and self-development of individuals. This emerging of one form of literature from another seems very interesting and unique. The present study analyses these poems in some detail.

ادبی دائرے میں باصر کاظمی کا نام شاعری اور ڈرامے میں وسعت ادبی دنیا کے دائرہ کار کو وسیع کرنے کا باعث بنی ہے۔ باصر کاظمی کی شاعری نمایاں اور منفرد مقام رکھتی ہے۔ ان کی شان دار شعری اصناف کی شائستگی اپنے آپ میں مہارت کی ایک عمدہ مثال ہے۔ ان کی شاعری اُردو روایات کے ارتقا کی ترجمانی کرتی ہے۔ باصر کی اُردو ادب میں بے شمار خدمات ہیں جن میں موجود خیال(1997ء) چمن کوئی بھی ہو(2009ء) ہوائے طرب(2015ء) چونسٹھ خانے چونسٹھ نظمیں(2015ء) ڈرامہ بساط(1997ء) قابل ذکر ہیں۔ باصر کی شاعری اور نثر کے حوالے سے صباحت عاصم واسطی اپنے مضمون "شجر ہونے تک" میں یوں لکھتی ہیں:

> باصر سلطان کاظمی ہمارے عہد کے اہم علمی وادبی شخصیت ہیں وہ ایک بے مثال شاعر 'عمدہ نثر نگار 'مستعد ادبی سفارت کار'
> ذہین محقق اور ادب کا تجزیہ کار ہیں۔(1)

باصر کا مطالعہ وسیع اور تنقیدی نظر گہری ہے 'باصر کو ادب کے مروجہ اور متروک رویوں کا اچھی طرح علم ہے۔ عالمی ادب کا قاری ہونا اور اُردو ادب سے بڑھ کر عصری رجحانات کا جائزہ اپنے عہد کے تمام رجحانات سے بیان کرنا باصر کا کمال ہے۔ باصر کاظمی نے شاعری کے ساتھ ساتھ جب ڈرامہ "بساط" لکھا تو ادبی حلقے میں ڈراما کی تشکیل نو اور اس کی بقا کی ایک نئی صورت دکھائی دی۔ "بساط" کے تبصرے میں سہیل احمد خان لکھتے ہیں:

> باصر سلطان کاظمی واقعی شاعر نکلے غزل کے مہرے دکھا کر ڈرامے کی چال چل گئے۔(2)

اُردو ادب میں جہاں ڈرامہ "بساط" نے ایک منفرد اور شاہ کار کا درجہ حاصل کیا وہیں اسٹیج کے لیے بھی یہ ایک بہترین ڈرامہ تھا۔ اس کے کردار 'کہانی اور فلسفہ اپنی مثال آپ تھے۔ چونسٹھ خانے چونسٹھ نظمیں کے ذکر میں بساط کا ذکر اولین حیثیت رکھتا ہے کیوں کہ "بساط" ہی ان نثری نظموں کا موجد ہے۔ اس کے مکالموں میں شاعری کے رنگ نے ایک الگ خوب صورتی پیدا کی۔

بساط ڈرامے کے تمام کردار ظاہری شخصیت سے زیادہ باطنی کیفیات کا اظہار کرتے ہیں۔ اس ڈرامے میں تمام کرداروں کی رو کو سمجھ کر ہی اصل حقیقت سے روشناس ہو سکتے ہیں جہاں ہمیں بساط کے کردار زندہ، باعمل اور فعال نظر آتے ہیں وہیں ہمیں اس سے متعلق سوچنے سمجھنے کی جہت بھی فراہم کرتے ہیں۔ بساط ڈرامے کا موضوع اچھوتا اور نیا ہے اسے خیالات کا ڈرامہ بھی کہا جا سکتا ہے ۔ بساط کے ہر کردار میں بصیرت کی گہرائی ملتی ہے۔ اس میں واقعات بہت کم ہیں۔ بظاہر ایک بنیادی مسلہ شہزادی کی شادی کے لیے شہزادے کا انتخاب اور معیار ہے لیکن ان کرداروں کے مکالمے اپنے اندر ایک الگ سوچ 'موضوع اور خیالات کی عکاسی کرتے ہیں۔ اسلوب میں شاعری کے رنگ کی خوب

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

صورتی ان مکالموں سے ابھرنے والے شاعری تاثر کو عام قاری پر بھی روشناس کراتی ہے۔ مبصرین نے "بساط" میں شاعری کے رنگ کو خاص طور پر نوٹ کیا۔ روزنامہ "ڈان" کے تبصرہ نگار ایس اے نقوی لکھتے ہیں:

> "*Bisaat* is a highly beautiful and extremely poetic and imaginative drama which in spite of the aforesaid qualities is exceptionally "matter of fact" and "to the point." (3)

باصر کے اسلوب میں شاعری کا رنگ ہر پڑھنے والے کو محسوس ہوتا ہے اور قارئین نے بساط کے تبصرے پر خاص طور پر شاعری کا ذکر کیا ہے اسے باقاعدہ طور پر شاعری کی کتاب بھی کہا گیا ہے۔ یہ کسی ڈرامے کے عام مکالمے نہیں بلکہ کسی شاعر کی گفتگو ہے جو اپنے شاعرانہ انداز میں مگن زندگی کے فلسفے بیان کر رہا ہے۔ ان مکالموں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا قلم شاعری کی سیاہی میں ڈوب کر لکھ رہا ہے۔ جہاں ڈرامے میں زندگی کو ایک کھیل کہا گیا ہے کہ ہم سب زندگی کی بساط کے مہرے ہیں۔ ہم ہی چال ہیں اور ہم ہی چال چلنے والے ہیں ہم یہ کھیل اپنے باطنی رویوں 'قدرتی معیارات 'ادراک اور تفہیم حیات کے تقاضوں کے مطابق کھیلتے ہیں۔ زندگی کے اس فلسفے کو شاعری کے رنگ میں رنگ دیا جائے تو شاعری اپنے بلند خیالات اور تخیل کی ان منازل تک پہنچتی ہے جو زندگی کی حقیقت اور انسان کے باطن کی عکاسی بن جاتی ہے ۔شاعری کا رنگ مصنف کے فلسفیانہ تاثر کو تو واضح کرتا ہی ہے لیکن معاشرے کو رنگ آلود کرنے والی حقیقتوں کو وہ خوب صورت الفاظ ملتے ہیں جو سچائی کو آشکار کرنے کے ساتھ ساتھ شاعری کی بلند پایہ صلاحیتوں کو بھی کھول کر سامنے لے آتی ہیں۔

ڈرامے کے ہر مکالمے میں ایک بنی بنائی نظم موجود ہے جسے پہلی نظر ڈالتے ہی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ شاعر نے انھیں الگ نظموں کا نام دے کر "چونسٹھ خانے چونسٹھ نظمیں" میں سمو دیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ باصر نے ڈرامہ کے ساتھ ہی نثری شاعری کی بنیاد رکھ دی تھی۔ اہل نظر تو اِس کی اہمیت اور منفرد پن کو پہلے ہی پہچان گئے تھے لیکن "چونسٹھ خانے چونسٹھ نظمیں" نے اِس خوبی پر مہر ثابت کر دی کی "بساط" دو خصوصیات کی حامل تھی۔ باصر اپنی کتاب "موج خیال کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

> میری شاعری کا ایک نیا دور شروع ہوا جو اب شاید غزل تک محدود نہ رہے اگرچہ غزل اپنی جگہ ایک لامحدود صنف سخن ہے۔(4)

باصر غزل کو لامحدود تسلیم تو کرتے ہیں لیکن انھوں نے اپنے اندر کئی جہتوں کو مزید آزادی رائے کے لیے قافیہ ردیف سے آزادی دلا کر نثری نظم کے دور کا آغاز کیا۔ نثری نظمیں غیر عروضی ہوتی ہیں ان میں صرف شاعرانہ احساس پایا جاتا ہے اس کی خصوصیات اور تعریف محمد عارف خان یوں بیان کرتے ہیں:

> نثری نظم محض ایک ایسی صنف ہے جس میں نہ تو شعری لوازمات ہوتے ہیں اور نہ ہی نثر کا منطقی بیانیہ(5)

باصر کی نثری نظموں کا اگر جائزہ لیا جائے تو جس طرح غالب کے خطوط میں نثری نظم کا رنگ محسوس کیا جا سکتا ہے اسی طرح باصر کاظمی کی "بساط" میں بھی نثری نظم کا عنصر محسوس کیا جا سکتا تھا وہ عنصر باصر نے الگ کر کے "چونسٹھ خانے چونسٹھ نظمیں" کے نام سے شائع کر دیا۔ باصر کے ہاں ہمیں تخیل اور خیالات کے رنگ محسوس ہوتے ہیں باصر ان نظموں کے ذریعے زندگی کی حقیقتوں کو تمثیلی انداز میں بیان کرتے ہیں۔ باصر کے ڈرامہ "بساط" اور نثری شاعری میں بنیادی فرق اجمال کا ہے۔ اس حوالے سے شمس الرحمٰن فاروقی لکھتے ہیں:

> نثری نظم اور نثر میں بنیادی فرق اجمال کی موجودگی ہے نثری نظم اجمال کا اسی طرح استعمال کرتی ہے جس طرح شاعری کرتی ہے۔(6)"

باصر کا اجمال ہی اس کی شاعری کو نثر سے منفرد کرتا ہے۔ ان کی نثری نظم میں نئے اسالیب 'نئی دریافت اور نئے سانچے کی وضع کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ نثری نظم کے وہ سارے وصف دکھائی دیتے ہیں جن کے ذریعے خارج تو نثر کی شکل میں ہوتا ہے لیکن مواد میں شعری رنگ ہوتا ہے۔ بحر اور قافیے سے مبرا ہونے کے باوجود شعری آہنگ کی عکاسی ملتی ہے۔ باصر کی نثری نظمیں مشینی عہد کی ان تیز ترین تبدیلیوں میں ایک جمالیاتی انکشاف کی حامل ہیں۔ اس حوالے سے مخدوم منور اپنی کتاب "نثری نظم کی تحریک" میں لکھتے ہیں:

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

نثری نظم کی صورت حال بھی یہی کچھ ہے یہ وقت کی اہم ترین ضرورت بھی ہے کہ فن کار کو اپنی ذاتی تخلیق پر توجہ دینے
کے علاوہ ادب کو اجتماعی سطح پر زندہ رکھا جائے اس سلسلے میں نثری نظم ایک علامت کا کام کر رہی ہے۔(7)

نثری نظم فن کار کو داخلی زندگی سے نکال کر اجتماعی زندگی سے ہم آہنگ کرنے کی عظیم کوشش ہے۔ نثری نظم علما اور ادبی حلقوں میں محدود ترکیبوں اور اضافتوں سے نکل کر لامحدود سطحوں کو چھوتی ہے اور یہی ضرورت باصر کو محسوس ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ "چونسٹھ خانے چونسٹھ نظمیں" میں باصر کی بے شمار خصوصیات سے پردہ سرکتا ہے وہ نثری شاعری کی تمام لوازمات کو بروئے کار لاتے ہوئے شعر بیان کرتے ہیں جن میں تشبیہات' استعارات اور تلمیح کا استعمال تو کثرت سے ملتا ہی ہے اس کے ساتھ ساتھ قدرتی مناظر کی خوب صورتی کو بھی بیان کرتے ہیں۔ نثری نظموں میں باصر کے فلسفی رنگ کے بھی شاہ کار نمونے ملتے ہیں جن کی صورت میں باصر ایک شاعر' ڈرامہ نگار کے علاوہ ایک فلاسفر کی حیثیت سے بھی سامنے آئی ہیں۔ باصر نے اپنے فلسفے میں انسان' زندگی' خوشی' غمی' اُداسی' غربت وافلاس' بھوک' کھیل بادشاہت' غلام' محکومی اور ہار جیت کے موضوعات کو قلم بند کیا ہے جن کے ذریعے نئے مفہوم واضح ہوتے ہیں۔

باصر کی نثری نظموں میں تشبیہات کے حوالے سے اگر نظر ڈالی جائے تو بے شمار موتی ملیں گے جن کی چند مثالیں ہیں یہ ہیں کہ وہ انسان کے اندر کی اُداسی کو "جہاز کے پیندے میں سوراخ" سے تشبیہ دیتے ہیں یعنی اگر جہاز کے پیندے میں سوراخ ہو جائے تو وہ عرشے پر اطمینان سے نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح اگر انسان اندر سے اُداس ہو تو باہر سے کبھی خوش نظر نہیں آسکتا۔ باصر کی خوب صورت تشبیہات اور استعارات کے حوالے سے ڈاکٹر آغا سہیل لکھتے ہیں:

شعور' لاشعور' قبل شعور اور تحت الشعور کے سمندر کو بلو بلو کر گہرائی سے موتی اور سطح سے دور کی کوڑی لانے والی بات کو
تشبیہوں' استعاروں اور علامتوں کی زبان میں بیان کرنا چوں کہ موصوف رومانوی دبستان کے آدمی ہیں۔(8)

یعنی ڈاکٹر آغا سہیل باصر کی اس خوبی کو رومانوی دبستان سے تعلق ہونے کی وجہ قرار دیتے ہیں یعنی وہ شعر کہیں یا نثر اپنی شخصیت کے بطون میں اترتے ہیں خود میں غوطہ لگا کر در شہوار نکال لاتے ہیں۔ باصر اپنی نظموں میں مختلف انسانی رویوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ یعنی وہ انسان کے بدلہ لینے کو اونٹ کے بیر سے تشبیہ دیتے ہیں کہ جس طرح اونٹ بدلہ لیتا ہے انسان بھی دل میں بات رکھ کر اونٹ کے بیر کی طرح بدلہ لیتا ہے۔ اسی طرح دوستی کے رشتے کے حوالے سے بھی ہمیں خوب صورت تشبیہات ملتی ہیں ۔ وہ دوستی کے رشتے کو برگد کی طرح سایہ دار اور چھوئی موئی کے پھول کی طرح نازک اور انمول سمجھتے ہیں۔

دھیرے دھیرے تعلقات کے ختم ہونے کے حوالے سے بھی باصر خوب صورت الفاظ کے موتی تشبیہ کے رنگ میں بیان کرتے ہیں جس طرح بھری مشک میں سوراخ ہو جائے تو ایک دم پانی نہیں بہتا بلکہ آہستہ آہستہ بہتا ہے جیسے سورج دھیرے دھیرے ڈوبتا ہے جیسے کسی چیز پر لپٹا ہوا دھاگا آہستہ آہستہ کھلتا ہے یہ تعلقات کے ختم ہونے کو ظاہر کرتی ہیں۔ باصر نے اپنی نظم میں محبت کو ایسے زخم سے تشبیہ دی ہے جو خود تو بھر جاتا ہے لیکن اُس کا نشان باقی رہ جاتا ہے وہ یوں لکھتے ہیں:

کچھ محبتیں ایسے زخموں کی طرح ہوتی ہیں
جو بھر جانے پر بھی نشان چھوڑ جاتے ہیں(9)

ایسے ہی کچھ محبتیں بھی نشانیاں چھوڑ جاتی ہیں اور لوگوں کے لیے سوالیہ نشان بن جاتی ہیں۔ انسان کے اندر کے سچ کو سمندر میں چھپے موتی سے تشبیہ دی گئی ہے جیسے سمندر کے اندر طوفان آنے سے موتی باہر آتا ہے ایسے ہی کڑوی باتوں سے انسان کے اندر کا سچ باہر آتا ہے۔ اسی طرح بُری نہ لگنے والی چبھتی باتوں کو تیز ناخن سے سر کھجانے سے تشبیہ دی ہے جو لطف کا باعث بنتی ہے۔ اس کے علاوہ غلامی کے ایک لمحے کو زہر کی چٹکی سے تشبیہ دی گئی ہے جس طرح زہر کی چٹکی پورے تالاب کو غارت کرتی ہے اسی طرح غلامی کا ایک لمحہ زندگی بھر کی سوچ اور شخصیت کو تباہ کر دیتا ہے۔ باصر کاظمی زندگی کو کہیں مداری کا کھیل کہتے ہیں اور کبھی شطرنج کی بازی سے تشبیہ دیتے ہیں جیسے لکھتے ہیں:

شطرنج بھی ایک زبان ہے
جو بہت کچھ بول سکتی ہے(10)

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

باصر کہتے ہیں کہ زندگی کے کھیل میں ہم سب اُس پیادے جیسے ہیں جس کی کوئی حیثیت نہیں یعنی انسانوں کو پیادوں سے تشبیہ دی ہے جس طرح شطرنج کی زبان ہے اسی طرح مصور اپنے رنگوں سے اور موسیقار ساز سے اپنی سوچ اور خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ باصر سوچ کے سفر کو انتہائی خطرناک مہم قرار دیتے ہیں جو انسان کو کہیں بھی لے جاتا ہے۔ جس طرح انسان کسی دشت یا صحرا میں پھنس کر بھٹک جاتا ہے، اسی طرح غلط سوچ انسان کو پھنسا دیتی ہے کسی ناگہانی مصیبت میں مبتلا کرنے کا سبب بنتی ہے جہاں سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ باصر کی نثری نظموں میں استعارات کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ وہ اس میں احباب کے لیے کھڑکیوں کا استعارہ استعمال کرتے ہیں کہ یعنی ہم ہر تعلق کو انسان کی کھڑکی سے جھانک کر صحیح اور غلط کا فیصلہ کر سکتے ہیں اس کے علاوہ بد ظنی کو حساب کا وہ کلیہ کہا ہے اگر وہ غلط ہو جائے تو اس کے ذریعے بننے والا ہر تعلق غلط ہو جاتا ہے یعنی ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح باصر کاظمی نے غلط سوچ کو "دشت" کا استعارہ دیا ہے۔

باصر کی نثری نظموں میں "ہما" کی تلمیح بھی ملتی ہے۔ ہما ایک تصوراتی پرندہ ہے اسے خوش قسمتی کا عنصر بھی سمجھا جاتا ہے یہ فرضی اور سیماب صفت پرندہ ہے جس کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ جس کے سر سے گزر جائے وہ بادشاہ بن جاتا ہے اسی حوالے سے باصر لکھتے ہیں:

ڈرتا رہتا ہوں

کہیں مجھ پر سے ہما نہ گزر جائے(11)

باصر کھلے آسمان کے نیچے ہما کے گزرنے سے اس لیے ڈرتے ہیں کیوں کہ ان کے لیے تاج محض سر درد ہے۔ باصر کی نثری نظمیں موسم 'ماحول اور قدرتی مناظر کی بھی عکاسی کرتی ہیں جابجا اشعار میں قدرت کے مناظر کا ذکر ملتا ہے جیسے:

اب پہاڑ 'دریا 'صحرا

اُس کا راستہ نہیں روک سکتے(12)

باصر کے مطابق یعنی انسان کی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو پہاڑ 'دریا 'صحرا بھی نہیں روک سکتے۔ باصر ان قدرتی مناظر کا ذکر کر کے شعر میں حسن پیدا کرتے ہیں جو شاعری میں دل کشی کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ قاری کو بھی تازگی کا احساس دلاتے ہیں ۔ اسی طرح اکیلے اور مغرور آدمی کو بلند پہاڑ جو برف سے ڈھکا ہوا کہتے ہیں۔ اس سے قدرت کے حسین مناظر ذہن میں آتے ہیں پہاڑ کی چوٹی سے قدرت کے حسین مناظر زہن میں تے ہیں۔ باصر کے ہاں برگد کے درخت 'کھجور کے درخت اور چھوئی موئی کے پھول کا ذکر بھی ملتا ہے۔ شام کے وقت دھیرے دھیرے غروب آفتاب کے حسین منظر کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

جس سے شام کی خوب صورتی کا منظر آنکھوں کے گرد گھومنے لگتا ہے۔ باصر کی شاعری میں فلسفیانہ رنگ بھی پایا جاتا ہے ان کی شاعری اپنے الفاظ 'آہنگ اور خوب صورتی کے ساتھ ساتھ اپنے اندر فلسفی رنگ کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ جس میں ہمیں زندگی 'غربت وافلاس 'بھوک جیت ہار 'خوشی 'اُداسی 'بادشاہت 'غلامی اور بدیسی کے علاوہ انسانی خصلت کے تمام پہلو کے حوالے سے فلسفے ملتے ہیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی باصر کی فلسفیانہ طبیعت کو یوں بیان کرتے ہیں:

> باصر کا مزاج فلسفیانہ ہے..... کہیں مادی فلسفے کے رنگ و آہنگ بھی نمایاں ہوتے ہیں۔ طبقاتی تفریق 'دولت کی غلط تقسیم 'بادشاہت اور سرمایہ داری سے نفرت اور دولت کی مساوی تقسیم(13)

زندگی کے حوالے سے باصر کے فلسفے پر نظر ڈالی جائے تو وہ زندگی کے تمام پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں۔ باصر بہت واضح انداز میں زندگی کی تلخ حقیقتوں کا ذکر کرتے ہیں کہ اگر ہم زندگی میں کچھ حاصل کرتے ہیں تو اس کے بدلے ہمیں بہت کچھ کھونا پڑتا ہے اس فلسفے کو خوب صورت مثالوں سے واضح کرتے ہیں کہ ایک جگہ دیکھنے 'پاؤں رکھنے یا بیٹھنے سے ہم دوسری سب جگہوں پر نہیں دیکھ پاتے نہ پاؤں رکھ سکتے ہیں اور نہ بیٹھ سکتے ہیں یعنی ایک جگہ پر ہوتے ہوئے ہمیں باقی سب جگہوں سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ ہر جگہ ہونے کی خواہش ہمیں ڈبو دیتی ہے۔ اسی طرح زندگی میں اچھے تعلقات بنانے کے لیے دوسروں کو باور کرانا ضروری ہے کہ تم کتنے اعلیٰ وارفع ہو۔ اس تعلق کا سارا کمال اسی کی ذات ہے اور دوسری طرف باہر زندگی میں کامیاب ہونے کے لیے خوش آمد پسندی 'حسد 'بغض اور نفرت کو قریب نہ آنے دینے کا مشورہ دیتے ہیں جو کہ ہر آدمی کے اندر موجود ہیں۔ زندگی میں سب رشتوں کو غرض سے لبریز قرار دیتے ہوئے ان کے خیال میں کوئی رشتہ بے غرض نہیں ہوتا۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

رشتوں میں عزت'محبت صرف ان سے جڑی توقعات کی وجہ سے ہوتی ہیں۔زندگی میں کسی پر اپنا فیصلہ مسلکر تا ہو تو وہ اس انداز سے کریں کہ وہ اسی خوش فہمی میں رہے کہ وہ اپنی مرضی سے کر رہا ہے۔یعنی اس کے اندر اس طرح اپنا فیصلہ اُتار دو کہ در حقیقت اُسے لگے کہ یہ اُس کا فیصلہ ہے جب کہ پس پشت وہ آپ کی آواز ہو۔باصر کے ہر مکالمے ہر شعر ہر آواز کے پیچھے ایک اور مکالمہ'شعر اور آواز ہوتی ہے اس خوبی کے حوالے سے اشفاق احمد لکھتے ہیں:

> ڈرامہ بساط پڑھ چکنے کے بعد ایک مدت کی بھولی ہوئی بات سامنے آئی یہ بات گرجیف نے اپنے کسی لیکچر میں کہی تھی کہ جب دو آدمی آپس میں بات کرتے ہیں تو وہ دو نہیں ہوتے بلکہ چار ہوتے ہیں سامنے کی بات کے پیچھے بھی ایک مکالمہ پیچھے کا چل رہا ہوتا ہے۔(14)

زندگی میں ہر لمحے ہمیں دست بردار ہونا پڑتا ہے۔کبھی آرزؤں سے صلاحیتوں سے قوتوں سے کبھی خوابوں'پیاروں'ساتھیوں سے اور آخر میں خود زندگی سے بھی اِس حوالے سے فلسفہ ہے:

> زندگی ہر لحظہ دست بردار ہونے کا نام ہے۔(15)

زندگی کو شطرنج کا کھیل بھی کہا گیا ہے جس پر سارے دنیاوی کھیل مشتمل ہیں۔زندگی کا اصل کھیل اگر ختم ہو جائے تو یہ عارضی کھیل سارے ختم ہو جاتے ہیں۔ زندگی کو کہیں مداری کا کھیل اور کہیں مسخرے کا کھیل کہا گیا ہے جو صرف ایک دل چسپ تماشے تک جاری رہتا ہے۔زندگی کے ہر کھیل میں ابتدا اختتام پر اثر انداز ہوتی ہے اسی طرح باصر کے مطابق اختتام بھی ایسا ہو کہ وہ ابتدا کی محنت کو ضائع نہ کرے انفرادیت بڑا نہیں بناتی زندگی اصل میں جدوجہد اور عمل کا نام ہے جو لوگ محنت کرتے ہیں اپنی مرضی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور جو بے عملی کا مظاہرہ کرتے ہیں زندگی انھیں حالات کے سہارے بہا دیتی ہے ان کی شخصیت ان کے اندر دفن ہو جاتی ہے باصر کے انسانی زندگی کے حقائق کے حوالے سے ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

> اور جگہ جگہ رمز و کنایہ کے پردے میں انسانی زندگی کے ایسے ایسے حقائق اور اسرار و رموز کھلتے ہوئے نظر آتے ہیں جن سے علم و شعور پر جلا ہوتی ہے۔(16)

یعنی باصر نے نثری نظموں میں انسانی زندگی کے تمام حقائق اور اسرار و رموز کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔باصر کے مطابق انتظار ہی اصل زندگی ہے جس زندگی میں انتظار نہ ہو وہ موت ہے۔جس آنے والے وقت سے کوئی توقعات یا اُمید نہ جڑی ہوں اس کا انتظار بھی نہیں رہتا زندگی انتظار سے عاری ہو تو وہ موت سے بدتر ہوتی ہے۔انسانی عادات'خصلتوں اور غرور و تکبر کا فلسفہ بھی باصر کے ہاں نظر آتا ہے کہ ہر آدمی دوسرے سے اعلیٰ وارفع دکھنے کے لیے اپنے ہر عمل کو صحیح ہونے کے گن گاتا ہے بعض انسان غرور و تکبر سے اتنے بلند ہو جاتے ہیں کہ نظر آنا بند ہو جاتے ہیں یعنی اہمیت کھو دیتے ہیں انسان کی خصلت ہے کہ وہ اپنے سے کم تر لوگوں میں رہنا پسند کرتا ہے اس کی خود پسندی اُسے اپنی تعریف سننے پر مجبور کرتی ہے۔کچھ انسان تخیلات کی اس قدر بلندی پر ہوتے ہیں کہ وہ اپنی سوچ سے ہی ہر منظر کا نظارہ کر لیتے ہیں انسان ہر کھیل صرف جیتنے اور دوسروں کو ہرانے کے لیے کھیلتے ہیں۔

> جیتنے کے لیے۔۔۔۔۔
> اچھا کھیلنا بھی پڑتا ہے(17)

انسان کو ایک اچھے کھلاڑی کی طرح پرفارمنس دکھانا پڑتی ہے جیسے اچھا کھلاڑی ہونا جیتنے کے لیے ضروری نہیں اسی طرح صرف اچھا انسان ہونا ضروری نہیں ۔کامیابی کے لیے اچھے عمل'کردار کا مظاہرہ بھی ضروری ہے۔انسان میں قناعت کے فقدان کے حوالے سے باصر کہتے ہیں کہ انسان کو جتنا مرضی حاصل ہو جائے وہ خوش نہیں ہوتا اُسے ہمیشہ یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ دنیا کے اتنے بڑے خزانوں میں سے تمہارے پاس کیا ہے؟انہونی چیزوں کی خواہش انسان کو کہیں کا نہیں رہنے دیتی۔انسان کو سب سے زیادہ متاثر کرنے والی چیز دولت ہے ہر چیز کے مقابلے میں انسان کو صرف دولت چاہیے اسی طرح باصر کے نزدیک جوانی میں انسان زیادہ پر اُمید ہوتا ہے وہ مستقبل میں کامیابیوں اور نعمتوں کے حصول کے لیے اُمید کرتا ہے جب کہ بڑھاپا ہر تسکین چھین لیتا ہے ۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

انسان کو تجسس اور سراب ہی اجنبی چیزوں کی طرف ابھارتا ہے علم کا ہو جانا بہت بڑا المیہ ہے جو انسان کو شعور دے کر ہر اُمید سے جذبہ ختم کر دیتا ہے کی لاعلمی کی اصل حقیقت یہی ہے کہ لکڑی کے گھوڑے پر بیٹھے بچے اور بڑے شہ سوار کا سرور اور غرور ایک سا ہے۔ غیر معمولی اور تاریخ ساز انسان بھی عام لوگوں سے ابھرتے ہیں کیوں کہ کوئی ان کی اصل نہ جانتے ہوئے حسد نہیں کر پاتا اپنے ہی بنائے ہوئے عقائد اور نظریات پر عمل کرتے کرتے زندگیوں کو خود پر اجیرن کر لیتے ہیں ۔باصر کے مطابق شکست انسان کو تنگ نظر اور تنگ دل کرتی ہے اور جیت اعلیٰ ظرف بنا کر جانی دشمن کو بھی معاف کرنے کا حوصلہ دیتی ہے جب کہ ہارنے پر ہم مخالف کے بے جان گھوڑے کو بھی نہیں چھوڑتے۔ اصل جیت یہی ہے کہ کسی کو اُس کے اپنے میدان میں ہرا دیا جائے پھر وہ ہمیشہ آپ کی نظر میں کم تر رہے گا ۔بادشاہت کے حوالے سے باہر لکھتے ہیں کہ

محکومی سو کی ہو یا ایک کی محکومی ہے(18)

اپنی بادشاہت کے لیے ایک لمحے کی بھی محکومی نہیں ہونی چاہیے بادشاہ کے الگ اُصول اور ضابطے ہوتے ہیں عام آدمی بادشاہ والے کام نہیں کر سکتے اور بادشاہ عام آدمی جیسے کام نہیں کر سکتا۔ بادشاہ کے تمام لاؤلشکر' شان وشوکت' دھوم دھام یہ ظاہر کرنے کے لیے ہوتے ہیں کہ وہ ایک عام آدمی سے مختلف ہے ۔اصل میں بادشاہ اور پیادے کی حقیقت ایک ہی ہے بادشاہ اپنی بقا کے لیے پیادے کا مرہون منت ہوتا ہے اور کبھی اتنا کمزور اور بے بس ہو جاتا ہے کہ دشمن کا پیادہ اسے بساط سے اٹھانے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

باصر کی ہاں ہمیں خوشی اور نہ خوشی کا فلسفہ بھی ملتا ہے کہ یہ انسان کے بس میں ہے کہ وہ کس کا چناؤ کرے۔ اس کی مثال وہ یوں دیتے ہیں کہ جیسے پیسہ پیسے کو اور اختیار مزید اختیار کو کھینچتا ہے ایسے ہی بے بسی مزید بے بسی کو جنم دیتی ہے، خوشی خوشی کو بڑھاتی ہے اور اُداسی مزید اُداسی کو۔ جو شخص اندر سے خوش نہیں ہوتا وہ باہر سے بھی خوش نظر نہیں آسکتا۔ غربت' بھوک اور افلاس کے حوالے سے بھی باصر اپنے شعر میں لکھتے ہیں

اُن کے بچوں کے کمر سے لگے ہوئے پیٹ
اور ننگے بدن دیکھ کر
دل ڈوبنے لگتا ہے(19)

یعنی بے بس اور بے حال بچوں کے حالات ٹھیک ہونے کی اُمید دل کو سکون دیتی ہے۔ طبقاتی فرق کو باصر کی شاعری میں اقبال ظہیر تاثی سے یوں بیان کرتے ہیں:

طبقاتی شعور کی بحالی کے لیے باصر جبر واستحصال کی قوتوں کے خلاف جہاد کرتا ہے اور اپنے دھیمے دھیمے لہجے میں اس کے
خلاف آواز بلند کرتا ہے(20)

اس معاشرے میں ملازموں کا کوئی نام نہیں ہوتا صرف اشارے سے بلایا جاتا ہے اور انسان کی فیاضی رحمدلی بھی اس کی غرض' مجبوری یا عظیم بننے یا پھر دوسروں کو اپنے ماتحت کرنے کی بدولت ہے۔ باصر کے ہاں ہمیں پردیس کی سختی اور مشکلات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اُن کے مطابق بدیس میں انسان کو وہ عزت کبھی نہیں ملتی جو اُسے اپنے وطن میں ملتی ہے پردیس میں آپ صرف اتنی عزت کے مستحق ہیں جو ایک مہمان کے حصے میں آتی ہے یعنی بدیس کبھی آپ کو قبول نہیں کرتا۔ باصر کی ایک نثری نظم میں ہلکا پھلکا رومانوی رنگ بھی نظر آتا ہے جس میں جذبے کی شدت اور اعتدال کی مثال ہے کہ کچھ لوگوں سے بچھڑنے کے بعد ملاقات میں اجنبیت کا احساس ہوتا ہے محض کسی تصویر سے بات کر رہے ہیں مصنوعی باتیں' خاموشی اور پھر رخصت۔ اس خوب صورتی پر محمد حنیف رامے لکھتے ہیں:

یہ کتاب شاعری کی کتاب بھی ہے کہانی بھی ہے لیکن یہ شاعری کرنے اور کہانی کا اسلوب ڈرامے کے قالب کو بتایا گیا ہے۔
(21)

مجموعی جائزہ لیا جائے تو باصر کی نثری نظمیں ان کی ذہنی رو' جذبہ کی شدت اور لہجے کے احساسات کی عکاسی کرتی ہیں۔ باصر کی شاعری میں وہ تمام خصوصیات ملتی ہیں جو فطری اور بنیادی لہجہ میں پائی جاتی ہیں۔ داخلی کیفیات اور جذبہ کی شدت وتاثر میں وہ ضبط واعتدال ہے جو فکر کے تقاضوں کی تکمیل کرتی ہے جس میں شاعری کی انفرادیت اور خصوصیت کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کی نظمیں اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ ان میں خیال کی متانت بھی ہے اور اظہار کی تازگی بھی اور شاعر کے عمیق مشاہدے کا بڑی برجستگی سے اظہار ملتا ہے۔ ان کے تاثرات پانی کی طرح رواں معلوم ہوتے ہیں۔ لہجہ' ندرت اور تازگی کے احساس سے بھرپور ہے جو قاری کے دل ودماغ پر اثر چھوڑتا ہے۔ باصر کی

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

نثری نظمیں ذاتی کرب ونشاط اور اس کے اطراف میں رونما ہونے والے حادثات وواقعات کا آئینہ دار ہے شاعری کا اسلوب 'زبان سہل اور آسان ہے۔ جملے اس قدر گنجلک نہیں کہ نامفہوم ہو جائیں۔

حوالہ جات

1۔صباحت عاصم واسجی 'شجر ہونے تک 'مشمولہ: شجر ہونے تک؛ باصر سلطان کاظمی 'لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز '2015 'ص23

2۔ سہیل حمد خام 'تبصرے 'مشمولہ: بساط 'باصر سلطان کاظمی 'لاہور فضل حق اینڈ پبلی کیشنز 'مارچ 1987 'ص127

3۔S.A.Naqvi, 'A novel drama in Urdu', 'Book Review', in daily Dawn Karachi, 13.11.1987

4۔باصر سلطان کاظمی 'موج خیال 'لاہور: نیاز جہانگیر پرنٹرز 'مارچ 1997 'ص25

5۔ محمد عارف خان 'ڈاکٹر "اُردو میں نثری نظم کا آغاز وارتقا '(تحقیقی مقالہ) 'لکھنو: نظامی آفیسٹ پریس '2011ء 'ص41

6۔فاروقی 'شمس الرحمٰن 'شعر غیر شعر اور نثر 'نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اُردو '2005ء 'ص59

7۔ مخدوم منور 'نثری نظم کی تحریک 'کراچی: رشید اینڈ سنز پرنٹرز '15 اگست 1979ء 'ص49

8۔ آغا سہیل 'ڈاکٹر 'تبصرے 'ایضاً، 'ص124

9۔باصر سلطان کاظمی 'چونسٹھ خانے چونسٹھ نظمیں 'مشمولہ (شجر ہونے تک (کلیات) سنگ میل پبلی کیشنز 'لاہور: 2015، ص 189 سنگ میل پبلی کیشنز '2015ء 'ص188

10۔ ایضاً، ص188

11۔ایضاً، ص192

12۔ایضاً، ص185

13۔عبادت بریلوی 'ڈاکٹر 'تبصرے 'ایضاً، 'ص112

14۔اشفاق احمد 'تبصرے 'ایضاً، 'ص191

15۔ باصر سلطان کاظمی 'چونسٹھ خانے چونسٹھ نظمیں 'ایضاً، 'ص191

16۔ عبادت بریلوی 'ڈاکٹر 'تبصرے 'ایضاً، 'ص112

17۔ایضاً، ص194

18۔ایضاً، ص192

19۔باصر سلطان کاظمی 'چونسٹھ خانے چونسٹھ نظمیں 'ایضاً، ص186

20۔اقبال ظہیر تاشی 'باصر کی شاعری 'مشمولہ: شجر ہونے تک (کلیات) ایضاً، 'ص25

21۔ محمد حنیف رامے 'ایک دھیمی انقلابی کتاب 'ادب لطیف، لاہور 'نومبر 1987 'ص41